انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۔ ۹۰
قیمت تین روپیے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۶۴-۱۵-۸-۱

جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۲۹ | ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور | ۸ ؍ اگست ۱۹۶۴ء

اداریہ

انجمن کے آیندہ پروگرام پر غور

۱۰ ؍ اگست کو انجمن کی مجلس عاملہ و مجلس عام کا ایک جلسہ علی گڑھ میں اس غرض سے ہوا تھا کہ انجمن کے آیندہ پروگرام پر غور کیا جائے اور انجمن کی کارکردگی اور افادیت کو بڑھایا جائے۔ اس موقع پر پروفیسر آل احمد سرور نے ایک ممبر کی حیثیت سے ایک نوٹ پیش کیا تھا جس میں اس بات پر زور دیا تھا کہ انجمن کے کام کے دو شعبے کر دیے جائیں۔ ایک اردو زبان کی بقا اور ترقی کے لیے جدّ و جہد کرے اور دوسرا علمی و ادبی پروگرام پر عمل کرے۔ دونوں شعبوں کے کاموں کے لیے علیحدہ علیحدہ دو اسسٹنٹ سکریٹری ہوں اور دونوں میں ربط جنرل سکریٹری پیدا کرے۔ اس نوٹ پر تقریباً تین گھنٹے بحث ہوئی جس میں مفتی عتیق الرحمٰن، پنڈت سندر لال، پنڈت آنند نراین ملا، حیات اللہ انصاری، شہاب الدین دسنوی، بیگم سلطانہ حیات، پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر گیان چند، کرنل بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، امتیاز علی عرشی نے حصہ لیا۔ بحث کے بعد یہ طے پایا کہ ریاستی شاخوں سے اس سلسلے میں رائے لی جائے اور انجمن کی قرارداد کے ساتھ پروفیسر سرور کا نوٹ بھی بھیجا جائے۔ انجمن کے سامنے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ علمی و ادبی کاموں کی رفتار کو تیز کرنے کے ساتھ ہندوستان میں اردو تحریک کی بھی مناسب رہنمائی کرے اور عوام سے ربط قایم رکھے۔ ان کاموں کے لیے ایک مناسب فنڈ کی بھی ضرورت ہوگی اور ہمیں یقین ہے کہ اگر عوام سے رجوع کیا جائے تو ایک معقول فنڈ جمع ہو سکے گا۔ ریاستی شاخوں کی رائے پر ایک کمیٹی غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ شروع اکتوبر میں انجمن کی جو کل ہند کانفرنس بمبئی میں ہو رہی ہے اس میں اس رپورٹ پر مجلس عام غور کرے گی۔ توقع ہے کہ اکتوبر کے بعد ہی سے انجمن نئے جوش اور ولولے کے ساتھ اردو زبان کی حفاظت اور اردو ادب کی اشاعت دونوں کاموں میں مصروف ہو جائے گی۔ انجمن اردو بولنے والوں کا سب سے اہم نمایندہ اور ممتاز ادارہ ہے۔ اس نے اب تک خاموشی سے اردو کی خدمت کی ہے۔ اس کو کامیابی بھی ہوئی ہے اور ناکامی بھی۔ لیکن یہ تو ہر تحریک میں ہوتا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ انجمن اپنے کاموں کو اور بڑھائے بھی اور زیادہ منظم بھی کرے اور عوام سے تعلق کو بھی اور مضبوط کرے۔ اس کام میں بھی سب اردو دوستوں کے تعاون کی ضرورت ہے اور یقین ہے کہ ہمیں یہ تعاون ملے گا۔

نہرو نمبر

اردو ادب کے نہرو نمبر کی کتابت شروع ہو گئی ہے۔ اب تک جن حضرات نے مضامین نہیں بھیجے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ آخر اگست تک ضرور بھیج دیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ نہرو نمبر پنڈت نہرو کی ہمہ گیر شخصیت، ان کے عظیم کارناموں اور ان کے تاریخی رول کو اردو داں طبقے پر واضح کرنے میں کامیاب ہوگا۔ توقع

اس شمارے میں

ہے کہ یہ نمبر آخر اکتوبر تک تیار ہو جائے گا اور ۱۴۔ نومبر کو اس کی اشاعت ہو سکے گی۔ پنڈت نہرو کی یاد تازہ رکھنا اور ان کے پیام کو سامنے رکھنا ہر سچے ہندوستانی کا فرض ہے۔ اردو دوستوں پر یہ فرض خاص طور سے عائد ہوتا ہے کیوں کہ پنڈت جی نہ صرف اردو کو اپنی مادری زبان کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے بلکہ اردو زبان و ادب کی اہمیت اور عظمت کو برابر ملک پر واضح کرتے رہتے تھے۔

سیر بین

یہ سیاست بھی عجیب چیز ہے سیاسی رہنما زبان سے امن کی بات کرتے ہیں، مگر ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جن سے جھگڑا بڑھے۔ امریکہ امن کی خاطر ویت نام میں پیش قدمی کرتا ہے۔ چین نے تو امن کی خاطر تبت اور لداخ پر چڑھائی ہی کر دی تھی۔ پاکستان ہندوستان سے دوستی بھی چاہتا ہے اور کشمیر میں جنگ بندی کی لائن پر برابر مداخلت بھی کرتا رہتا ہے جس کی گواہی یو۔این۔او کے آبزرور دے چکے ہیں۔ تاجر کہتا ہے کہ ہم ذخیرہ اندوزی نہیں کریں گے مگر بازار میں مال نہیں آ پاتا۔ اتر پردیش میں کانگریس کے دونوں فریق کانگریس کے اصولوں کا دم بھرتے ہیں، مگر برابر ایک دوسرے کو زک دینے میں مصروف ہیں۔ اشوک مہتا سوشلزم کی خاطر جن سنگھ اور سوتنتر پارٹی سے سمجھوتہ کو تیار ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے دونوں فریق اختلافات ختم کرنے کی بات کرتے ہیں اور خلیج بڑھاتے جاتے ہیں۔ شہر کے چھوٹے موٹے نیتا عوام کی خدمت کا دم بھرتے ہیں، مگر ان کا عمل کچھ اور ہوتا ہے۔

یہ سیاست کے کرشمے ہیں یا کوئی اور بات ہے۔ قول اور فعل میں یکسانیت پہلے بھی زیادہ نہیں تھی مگر اب تو بہت کم نظر آتی ہے۔ واعظ کے متعلق حافظ نے کہا تھا کہ وہ ممبر پہ جلوہ کرتے ہیں تو ان کی شان اور ہوتی ہے اور خلوت میں اور۔ اب تو یہ بات بڑی حد تک سبھی رہنماؤں، بلکہ سبھی "بڑے" آدمیوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ کیا یہ اخلاقی قدروں کا زوال ہے یا نئی اخلاقی قدروں کی تشکیل۔ کاش اس پہلو پر بھی کوئی عالم توجہ دے۔

شاید سیر بین کے پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ یہ کالم کچھ تلخ ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کیا جائے شکر ملتی نہیں، موسم کا یہ حال ہے کہ بارش بے حساب ہوئی مگر گرمی کے مارے نڈھال ہیں۔ گرانی بڑھتی جاتی ہے، حکومت اس طرح بہلاتی ہے جیسے بچوں کو تھپکیاں دی جائیں۔ ایسے میں تلخ و ترش شیریں کی چاشنی کہاں سے آئے سنا ہے ہلکی سی تلخی میں بھی ایک بات ہوتی ہے۔ پھر سیر بین اس طرف جا رہا ہے تو کیا برائی ہے۔

کل ہند اردو کانفرنس
جے پور

۲، ۳، ۴۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء

به صدارت

جناب پنڈت آنند نراین صاحب ملاؔ

کانفرنس میں شریک ہونے والوں کے لیے ریلوے بورڈ نے خصوصی طور پر رعایتی ٹکٹ (ریلوے کنسیشن) کی اجازت دے دی ہے یعنی ایک طرف کے کرائے میں آمد و رفت ہو سکے گی۔

کانفرنس کا پروگرام حسب ذیل ہے:

۲۔ اکتوبر، جمعہ کا دن

(۱) ۹ بجے دن سے ۱۲ بجے دن تک مجلس عام و عامل کا اجلاس۔
(۲) ساڑھے تین بجے دن سے ساڑھے پانچ بجے شام تک کانفرنس کا افتتاح۔
(۳) ساڑھے چھ بجے شام سے نو بجے شب تک سبجکٹس کمیٹی (مجلس مضامین) کا جلسہ۔
(۴) ساڑھے نو بجے سے مشاعرہ۔

۳۔ اکتوبر، سنیچر کا دن

(۱) نو بجے صبح سے بارہ بجے دن تک کھلا اجلاس۔
(۲) تین بجے دن سے ساڑھے پانچ بجے شام تک کھلا اجلاس۔
(۳) ساڑھے چھ بجے شام سے ساڑھے آٹھ بجے شب تک نمایندوں کا جلسہ۔
(۴) ساڑھے نو بجے سے مشاعرہ۔

۴۔ اکتوبر، اتوار کا دن

(۱) آٹھ بجے صبح سے ساڑھے دس بجے دن تک نمایندوں کا جلسہ۔
(۲) ساڑھے دس بجے دن سے ایک بجے دن تک کھلا اجلاس۔

بنارس میں نہرو لائبریری

عنقریب بنارس میں اردو، فارسی اور عربی کی کمیاب کتابوں کی ایک لائبریری کھولی جائیگی لائبریری کا نام نہرو لائبریری ہوگا۔

کتابوں کو جمع کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے معلوم ہوا ہے کہ بنارس کے سنگم مٹھ سے ہمایوں، اکبر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور دوسرے بادشاہوں کے شاہی فرمان ملے ہیں، اور بھی کئی مسودات وہاں سے دستیاب ہوئے ہیں۔

مختلف اداروں سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ نہرو لائبریری کے لیے کمیاب مسودات بھیجیں، یہ بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ ایسے خطوط حاصل کیے جائیں جس پر پنڈت نہرو نے اردو میں دستخط کیے ہوں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

الہ آباد میں ادیبوں کا اجتماع

ایمی سینٹ ہال میں اردو و ہندی ادیبوں کا اجتماع ڈاکٹر اعجاز حسین کی صدارت میں ہوا، یہ جلسہ ہندی ادیبوں کی انجمن "سنگم" کے زیر اہتمام ہوا تھا۔ سنگم کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی۔ مختلف مقررین کے علاوہ ڈاکٹر اعجاز حسین نے اس بات پر زور دیا کہ اردو ہندی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی جائے۔

ڈاکٹر سید سلیمان حسین ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

جرأت لکھنوی اور ان کا ایک غیر مطبوعہ قصیدہ

نام قلندر بخش۔ عرفیت یحییٰ اماں یا یحییٰ امان، جرأت تخلص باپ کا نام حافظ امان تھا۔ اور سلسلۂ نسب رائے امان تک پہنچتا ہے جو محمد شاہ (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) کے زمانہ میں دربارِ شاہی میں خدمت دربانی پر مامور رہے۔

جرأت دلی میں پیدا ہوئے لیکن کمسنی ہی میں حملہ درانی (۱۱۷۳ھ) کے بعد فیض آباد چلے آئے اور یہیں ان کی نشوونما ہوئی چنانچہ ان کے معاصر غلام ہمدانی مصحفی (۱۲۴۰ھ) ان کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"مشارالیہ از انقلاب زمانہ مع عشایر در صغر سن بہ
پورب رسیدہ و ہم آنجا نشوونما یافتہ و جوان گردیدہ"

ان کی جوانی کا زمانہ فیض آباد میں گزرا لیکن کچھ عرصہ نواب محبت خاں ولد حافظ رحمت خاں کی سرکار سے بھی توسل رہا جس کی طرف وہ خود یوں اشارہ کرتے ہیں ؎

بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے
ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

فیض آباد سے عہد آصف الدولہ میں لکھنؤ چلے آئے اور یہاں مرزا سلیمان شکوہ سلیمان (آمد لکھنؤ ۱۲۰۳ھ) کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ مرتے دم تک انھیں کی سرکار سے توسل رہا۔

جرأت مرزا جعفر علی حسرت دہلوی ثم لکھنوی (۱۲۰۹ھ) کے شاگرد تھے فن شاعری کے علاوہ علم نجوم میں ماہر اور موسیقی میں استاد زمانہ تھے ستار خوب بجاتے تھے۔ مرزا علی لطف تذکرہ گلشن ہند (۱۲۱۵ھ) میں اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں "علم موسیقی میں شغل بھلا چنگا رکھتا ہے اور ستار کے بجانے میں نہایت دست رسا رکھتا ہے۔ نجوم میں بھی اس شخص کو دخل تمام ہے۔ ایسا کہ ایک عالم لکھنؤ کا اس کا منتظر احکام ہے۔"

جرأت اکتیسویں برس بصارت چشم سے محروم ہو گئے تھے جس کو مولانا آزاد نے آب حیات میں بہت بڑھا چڑھا کر لکھا ہے۔

غالباً اسی وجہ سے زیادہ تعلیم نہ حاصل کر سکے استعداد علمی بہت معمولی تھی لیکن طبیعت بلا کی پائی تھی۔ شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا فکر شعر سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ میر حسن (۱۲۰۱ھ) نے ان کو "فن شعر کا دیوانہ" کہا ہے۔

جرأت کے سال وفات میں اختلاف ہے اب تک ناسخ کے قطعۂ تاریخ پر بھروسہ کر کے لوگ ان کا سنہ وفات ۱۲۲۵ھ کو سمجھتے رہے لیکن قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کے مطابق صحیح سال وفات ۱۲۲۴ھ ہے۔[1]

[1] معاصر جلد دوم صفحہ ۲۴۳

کلیات جرأت کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں جن میں مختلف اصناف سخن مثلاً غزلیں، قصیدہ، ہجویات، قطعات، مستزاد، مخمس، ترجیع بند، رباعیات، واسوخت، مخمسات، مسدسات، مرثیے اور سلام سب کچھ موجود ہیں لیکن دیوان مطبوعہ لکھنؤ ان کے بہت مختصر حصہ پر حاوی ہے۔

اردو ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے جرأت کی قصیدہ گوئی سے انکار کیا ہے چنانچہ آنجہانی رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں "جرأت نے قصیدہ یا کسی دوسری مشکل اور متین صنف نظم کو اختیار نہیں کیا۔"[1] اسی طرح ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں "انھوں نے اکثر اصناف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزل، رباعی، مخمس، واسوخت، ہجو سب کچھ کہا البتہ قصیدہ سے دیوان خالی ہے۔"[2]

اتفاق سے مجھے جرأت کا ایک ۴۳ شعر کا زوردار قصیدہ مل گیا جو ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے یہ قصیدہ مرزا سلیمان شکوہ سلیمان (۱۸۳۸ء) کی شان میں ہے نواب موصوف شاہ عالم ثانی کے تیسرے فرزند تھے۔ دلی کی تباہی کے بعد (۱۲۰۳ھ) میں لکھنؤ چلے آئے تھے۔ یہاں نواب آصف الدولہ بہادر نے اخراجات کے لئے ۵ ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ شعراء کے بہت بڑے سرپرست تھے خود بھی شعر کہتے تھے اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ دلی سے جو شاعر لکھنؤ پہنچتا تو پہلے ان ہی کے در پر حاضری دیتا تھا صاحب عالم بھی الطاف کریمانہ سے پیش آتے تھے۔ مصحفی، انشاء، رنگین، جرأت وغیرہ انھیں کی سرکار سے متوسل تھے۔

(یہ قصیدہ کلیات جرأت مملوکہ رضا لائبریری رامپور، مخطوطہ نمبر ۹۲۶ میں شامل ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۱۹ ب ۳۲۰ الف و ب)

قصیدہ در مدح مرزا سلیمان شکوہ بہادر

یہ بے کلی نے باغ جہاں سے کیا فرار — آرام کے الف کی ہے صورت ہر ایک خار
ہر سرو باغ صورت مینائے سبز ہے — ہر گل ہے طرب سے ہے لبریز جام دار
ہر عندلیب نغمہ سرا ہے خوشی سے آج — ہر سو نسیم عشرت و شادی کا ہے گذار
یعنی کی شکل جھومے ہے ہر نخل گلستاں — اور تالیاں بجاتے ہیں سب برگ بار بار
تھیانہ اہل زر ہے گل اشرفی ہے آج — فوارہ تنگ بھی دیکھئے تو ہے خزانہ دار
سو رنگ سے ہے آج جوانان باغ دہر — پوچھو سبب جو کوئی تو گویا ہے آشکار
یعنی کہ آج اس در دولت سرا پہ آئے — کرتے ہیں مہر و ماہ جہاں سیم و زر نثار
وہ در کہ جس کا حلقۂ در دیدۂ سخا — وہ در جہاں کرم کا ہے بحر بیکنار
وہ در کہ جس کی تخت سلیماں ہو کیاں — وہ در جہاں ہوا بھی نہ بے حکم پائے بار
سو آستاں ہے شاہ سلیمان شکوہ کا — جس در پہ قیصر و خاقان ہیں چوبدار
وہ آستاں جہاں سے نہ خالی کوئی پھرے — گویا کشادہ ہے در بخشش پروردگار
وہ در کہ جو ہے صاحب عالم کا آستاں — عالم رجوع کیوں نہ ہو ہر سیل و ہر زر

[1] تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۱۹ [2] مختصر تاریخ ادب اردو، ناشر آزاد کتاب گھر دہلی صفحہ

حقا وہ ذات صاحب عالم ہے وہ جس — تابندہ جس کا مہر سخا ہے بہر دیار
جرأت پڑھ اب تو مطلع ثانی حضور شاہ — غائب کی مدح سے تجھے کیا فائدہ ہے یار

مطلع ثانی

نازاں ہو اپنی بخت پہ کیونکر نہ روزگار — پایا عروس دہر نے تجھ سا جو شہریار
قیمت میں ہو نہ لعل کا فرق ہر ایک سنگ — گر ایک نگاہ مہر پڑے سوئے کوہسار
چھو کر صبا جو دست سخا جائے دہر میں — ہر تاک خوشہ ور دیکدانہ لائے بار
بارش پہ اس طرح ہے سحاب کرم مدام — جھڑیاں لگائے جیسے کہ ساون میں لگاتار
عالم سے یاں کے دیجئے گدا کو اگر شال — بخشش کے جو حساب میں فرق یک دو ہزار
اس بحر سروری کا ہے تو ناخدا جہاں — شکل حباب مر میں ہوں کتنے ہی تاجدار
جز و سخا نہ مجھ سے بیاں ہو اگر کوئی — چاہے بزر سیاہ تو لے فیل بے شمار
یعنی بدل محب جو تو اس شاہ دین شاہ — سائل کو جس سے نان اندوختگی دی قطار
دیوے سواد خط کو تیرے باج ملک ہند — قید نظر میں لائے جو فرمان و اقتدار
جرأت سے سب میں تیرے ملک سخن میں آج — تو ہر گرگروں میں شجاعت کا گر شعار
کانپے ہے جو ڈر سے کشتی ہو نہ شکل ماہ — مانند برق چمکے ہے جب تیغ آبدار
جس دشت میں کہ غلغلہ روز ہو بلند — مر مر کے واں طمانچے گئے جو کہسار
جس جا پہ ذکر عدل تو سوتن کی شکل ڈل — جیسے ہو چاک پیرہن فصل نوک خار
یہ دخل ہے سخن میں کہ گویا حضور کے — بہتر اساتذہ سے تلامذ ہیں بے شمار
اندر شرح ورد جب ہے یہ رائج کریں کبھو — پڑتے ہی ہیں سنائے ہے نغمہ ہر ایک ستار
مانند چرخ ساغر صہبائے دوار گول — جو شیشہ میں وہ مہر طلب تھی جو بادہ خوار
گلگوں بادپا کی ہیں سرعت گھوڑوں سے کیا — ہر گز کمیت خامہ نہیں ہے یہ اختیار
جیسے ہوا حباب میں یا بہ دیں بزیر چرخ — جلدی سے شش جہت میں نہیں کس جگہ گذار
نقصان اسکی پہ ہو ٹائے کہ تیغ کوئی نہیں — ہو جوں شبیہ لب پہ دکم کرنے لگے قرار
عظمت رکھے ہے فیل سواری کہ شکل مور — جس کے حضور پیل فلک کا ہو اقتدار
رخشاں ہو جو عماری پہ روز میں بیٹھے شاہ — شب گر کے قطع مہر کہاں نکلے یوں نہار
دنداں کو اس کے دیکھئے تو رہ دعا کو ہیں — گویا عدو کے واسطے دو تیغ آبدار
جرأت کر اب دعا پہ قصیدہ کو ختم تو — جوں مہر ذات شاہ ہے اور قیس ذرہ دار
یارب مبارک ہو یہ عید اب کی سال — کل سرزمیں کا صاحب عالم ہو شہریار

جو خانہ زاد شاہ ہے ہو خرمی اسے
بدخواہ و روسیاہ پھرے بیت ذلیل و خوار

لکھنؤ کی جنم کنڈلی

لکھنؤ کا ریلوے ڈویژن کے سپرنٹنڈنٹ ڈی آر موہن نے بتایا کہ انھوں نے لکھنؤ کی ایک تین سو سال پرانی "جنم کنڈلی" حاصل کر لی ہے جو پالی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ قلمی کتاب بزرگ تصویروں سے مرصع ہے۔ تصویریں بالکل تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ تین سو سال پرانے لکھنؤ کی تاریخ اور اس کی عمارتوں کا حال اس میں درج ہے۔ اس قلمی تاریخ میں شہر کو "لکشمن پور" لکھا گیا ہے۔

یہ پالی مخطوطہ ۵۰ فٹ سے زائد لمبا اور قریباً اس کی ضخامت کا ہے (قدیمی اوراق)

ویمنس کالج میں اردو ذریعہ تعلیم کی بحالی کا مطالبہ

آندھرا پردیش اسمبلی کے پانچ اراکین مسرد شری ایم باگا ریڈی خواجہ معین الدین، امیشور راؤ، بی نرسا ریڈی اور شریمتی ریڈی رنگا کے علاوہ دو اراکین بلدیہ مسرد شری سید رحمت علی اور ایچ آر ہرچند رائے نے کلیہ نسواں جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم کی برخاستگی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے چیف منسٹر اور وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ سے اپیل کی ہے کہ اس درس گاہ میں اردو ذریعہ تعلیم کو فوری بحال کیا جائے۔ ان اراکین اسمبلی نے کلیہ نسوان میں اردو جماعتوں کی برخاستگی کو حکومت آندھرا پردیش کے معلنہ لسانی پالیسی اور ملک کی قومی تعلیمی پالیسی کے مغائر قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس درس گاہ میں اردو ذریعہ تعلیم کی برخاستگی کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اردو ذریعہ تعلیم کو توسیع دی جائے۔ اس جواز کو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اردو ذریعہ تعلیم کی ایک دوسری درس گاہ کی وجہ سے کلیہ اناث میں اردو ذریعہ تعلیم کو برخاست کیا جا سکتا ہے۔ ان اراکین اسمبلی نے کہا کہ عظیم تر حیدرآباد میں اردو بولنے والوں کی تعداد نصف سے زائد ہے۔

آبادی کے اس بڑے حصہ کے احساسات اور جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (ملاپ حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو کی مخصوص ادبی نشست

انجمن کی ایک مخصوص نشست حضرت جوش ملیح آبادی کے اعزاز میں ۲۸ جولائی ساڑھے پانچ بجے شام کو منعقد ہوئی۔ باوجود رم جھم کے حاضری کافی تھی ممبران انجمن کے علاوہ اور شائقین ادب سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

حضرت جوش ملیح آبادی نے اپنی کئی نظمیں اور رباعیاں سنا کر ڈیڑھ گھنٹے تک استفادے کا موقع دیا۔ جناب سردار جعفری کی غیر متوقع شرکت سے نشست کی دلکشی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

سردار جعفری نے اپنی حسین نظم قتل آفتاب اور ایک اور نئی نظم سنا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔ جناب اکمل سعیدی نے بھی ایک غزل سنائی اور یہ یادگار دلکش نشست ساڑھے سات بجے بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ (نامہ نگار)

مولانا حالی کا مکان محفوظ یادگار رہے گا

پنجاب کے گورنر حافظ محمد ابراہیم نے اخباری نامہ نگاروں سے بات چیت کے دوران پانی پت کی صنعتی ترقی پر مسرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے خاص طور پر دریافت کیا کہ وہ مکان جس میں اردو کے نامور شاعر اور ادیب شمس العلما مولانا حالی رہا کرتے تھے کس حالت میں ہے؟ گورنر نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مکان کو محفوظ رکھا جانا چاہیے۔ (ملاپ دہلی)

امجد نجمی

گرد و پیش

یہاں نہ گیت سناؤ یہاں نہ نظم پڑھو
یہاں 'غزل' سے عبارت ہے شاعری کا چلن
یہاں تو صنعتِ الفاظ کی ہے نقش گری
یہاں ردیف و قوافی کی ہے نمود و پھبن

یہاں ٹھٹھرتا تخیّل، سسکتی تشبیہیں
یہاں نہ آج کا موضوع ہے نہ آج کا فن
یہاں پہ مردہ ادب کی سڑی ہوئی لاشیں
اٹھائے پھرتے ہیں کاندھوں پہ حاملانِ سخن

یہاں پہ چند کتابیں کھنگالنے والے
بزعم خود ہیں بڑے عالم اور دانشور
غرور بے ہنردانی کا جن کے سر میں بھرا
جو اپنے آگے سمجھتے ہیں کل جہان کو صفر

نئے ادب کی ہے رفتار کیا؟ نہیں معلوم
پرانے رنگ میں لکھتے ہیں اور اکڑتے ہیں
کوئی سنادے اگر ان کو آج کی تخلیق!
تو ناک بھوں یہ چڑھاتے ہیں اور بگڑتے ہیں

یہاں ہے حکم کہ جدت طرازیاں نہ کرو
پرانی طرز کے محبس میں بس اسیر رہو

ذکی الدین شایاں

"غیبی کشش"

مرغزاروں پر گلی ہیں شام کی رنگینیاں!
ذرّے ذرّے میں ہے خوابیدہ کسی دل کی خلش
جھونپڑوں سے اس طرف غمگیں دھواں اٹھتا ہوا
وادیوں میں اس طرف پگھلے ہوئے خون کی تپش
الوداعی عکس وہ دن کا ہر اک شے پر عیاں
زیست کو ملتی ہو جیسے آخری دادِ روِش
کس قدر پُر لطف ہے ان سبز میدانوں کے پاس
جھیل میں اک دخترِ دہقاں کا عکسِ مرتعش

چشم و دل نظارۂ فطرت سے ہم آغوش ہیں
روح کو تڑپا رہی ہے کون سی غیبی کشش!

لکھنؤ کارپوریشن اور اردو

"سیاست جدید کانپور اور ہماری زبان علی گڑھ نے انجمن ترقی اردو لکھنؤ کو متوجہ کیا ہے کہ وہ لکھنؤ کارپوریشن سے سڑکوں کے پتھروں پر اردو میں بھی نام لکھے جانے کا مطالبہ کرے۔ اس سلسلہ میں انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے حسب ذیل بیان دیا؟"

"انجمن ترقی اردو لکھنؤ فروری سنہ ۱۹۶۰ء سے مسلسل لکھنؤ کارپوریشن سے یہ مطالبہ کرتی رہی ہے کہ وہ اپنی جملہ کارروائی، قوانین وضو ابط کی اشاعت، اشتہارات و اعلانات وغیرہ اردو زبان میں بھی شایع کرے، اردو تعلیم کا معقول انتظام کرے، سڑکوں پر نصب کئے جانے والے پتھروں پر اردو میں بھی نام کندہ کرے اس سلسلے میں سنہ ۶۰ء سے لے کر سنہ ۶۳ء تک انجمن ترقی اردو لکھنؤ نے متعدد بار ان مطالبات کو تسلیم کرنے کی کوشش کی بعض چیزوں میں اسے کچھ کچھ کامیابی بھی ہوئی مثلاً بیسک اسکولوں میں داخلہ فارم میں مادری زبان کے خانہ کا اضافہ۔ کئی اسکولوں میں اردو تعلیم کا انتظام حال ہی میں کارپوریشن کے ممبر اور انجمن ترقی اردو لکھنؤ کے صدر کیپٹن وی۔ آر۔ موہن صاحب ایم۔ ایل سی نے کارپوریشن کے جلسوں کی کارروائی اردو میں بھی شروع کرادی ہے جس کا اردو حلقوں پر کافی اثر ہوا ہے۔ موہن صاحب نے انجمن ترقی اردو لکھنؤ کے صدر منتخب ہونے کے بعد ہی یہ اقدام کیا ہے (موہن صاحب کا باقاعدہ انتخاب ۲۱ جون کو مجلس عاملہ کے جلسہ میں ہوا تھا) ۱۲ جولائی کے جلسہ میں مجلس عاملہ نے حکومت اتر پردیش سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ لوکل باڈیز اور کارپوریشن کو جملہ کارروائی اردو میں بھی کرنے کی ہدایت کرے۔

"انجمن ریلوے بورڈ، روڈویز انفارمیشن، آل انڈیا ریڈیو اور محکمہ صحت سے بھی اردو کو جگہ دینے کا مطالبہ کر چکی ہے۔ اسے یقین ہے کہ وہ اپنے ان جائز مطالبات کو کبھی نہ کبھی ضرور ذمہ داران سے تسلیم کرالے گی۔ لکھنؤ کی انجمن اپنے محدود وسائل کے باوجود اردو کے حقوق کے لئے ہمیشہ جد وجہد کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ یہ اسی کی جد وجہد کا نتیجہ ہے کہ اردو بیسک ریڈریں وقت کے اندر شائع ہونے لگیں، کرپلانی کمیٹی کی رپورٹ کے زہر سے اردو والے آگاہ ہو گئے۔ اردو کشی کے با اقتدار ماحول میں بھی: صبر و ضبط ہمت و استقلال کے ساتھ جد وجہد جاری رکھنا ہے۔ اور لکھنؤ کی انجمن نہ اس سے کبھی غافل رہی ہے اور نہ رہے گی۔"

برج بھاشا کے سلسلہ میں ۵ ہزار کی گرانٹ

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے آگرہ یونیورسٹی کے ہندی تعلیمات اور لسانیات کے انسٹی ٹیوٹ کو برج بھاشا کی سولہویں صدی کی ایک اہم تصنیف "سور ساگر" کو ایڈٹ اور شائع کرنے کے لئے ۵ ہزار روپیہ دیے ہیں۔

(سیاست کانپور)

محمد انصار اللہ نظر

کانپور کے ذخیرے

کتب خانہ نواب معین الدولہ کے مخطوطات

اودھ کی تاریخ میں نواب معتمد الدولہ آغا میر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، نواب صاحب نے سلطنت اودھ کے قیام، نظم و نسق کے سلسلے میں جو غیر معمولی شہرت پائی اس سے قطع نظر، اردو شعر و سخن کی تاریخ میں لکھنؤ کے نئے دبستان کے قیام میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں، لیکن اس حیثیت کو غالباً ان کی سیاسی اور سرکاری حیثیت کے سبب عام طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے، لکھنؤ کے نئے دبستان شاعری کے بانی شیخ امام بخش ناسخ نواب معتمد الدولہ کی سرکار سے فیضیاب تھے، نواب صاحب نے شعر و سخن میں ناسخ ہی سے مشورہ کیا، لکھنؤ چھوڑنے کے بعد نواب صاحب کانپور میں اقامت گزیں ہوئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے کانپور میں شعر و سخن کا چرچا عام ہو گیا، ۱۲۲۱ھ میں مرزا رجب علی بیگ سرور کانپور آئے انھیں یہاں کوئی "شریف" نظر نہ آیا، ۱۲۲۶ھ میں نواب معتمد الدولہ کانپور آئے اور اس کے بعد ہمیں یہاں پر شعرا کی ایک قابل قدر جماعت ملتی ہے، چونکہ خود نواب صاحب ناسخ سے فیض سخن پاتے تھے اس لیے کانپور میں شعر و سخن کی محفلوں میں ناسخ اور تلامذۂ ناسخ حاوی رہے، لکھنؤ میں ناسخ کے علاوہ دوسرے اساتذہ بھی تھے، لیکن کانپور میں صرف ناسخ کا سکہ چلتا تھا۔

نواب معتمد الدولہ کے دو صاحبزادے نواب امین الدولہ آغا علی خاں بہادر اور نواب نظام الدولہ سید علی خاں بہادر میر علی اوسط رشک شاگرد رشید ناسخ سے مشورہ سخن لیتے تھے، ان میں سے اول الذکر نے ناسخ سے بھی فیض پایا، اور معتمد الدولہ کی وفات کے بعد ناسخ ان ہی کے یہاں آکر مقیم ہو گئے تھے ثانی الذکر کے دامن دولت سے منیر شکوہ آبادی شاگرد ناسخ و رشک وابستہ تھے، نواب معتمد الدولہ کے تیسرے صاحبزادے نواب معین الدولہ سید باقر علی خاں بہادر ظفر جنگ کے دامن دولت سے بھی منیر وابستہ رہے، ان ہی کے لیے منیر نے ایک مقطع میں کہا ہے ؎

خوب کر تعریف نواب ظفر جنگ اے منیر   کام آجائے گی یہ آقا پرستی ایک دن

نواب معین الدولہ کی علمی قابلیت کا مورخین نے اعتراف کیا ہے، منیر نے ایک مدحیہ قطعہ میں ان کو "شاعر معجز بیان و قدر دان شاعران" کہا ہے، نواب صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا، امتداد زمانہ سے نواب صاحب کا کتب خانہ خرد برد ہو گیا، جو کتابیں باقی تھیں بزرگوں کی نشانی "سمجھ کر الماریوں میں ڈھیر کر لی گئی تھیں، راقم سطور کو انھیں دیکھنے کا موقع ملا، ان میں بعض قابل قدر مخطوطات کا سطور ذیل میں تعارف کرایا جاتا ہے۔ یہ مخطوطات اب نواب سید حیدر علی خاں بہادر نبیرۂ نواب معین الدولہ بہادر کی تحویل میں ہیں۔ نواب صاحب کے پاس جو مخطوطات محفوظ ہیں ان سے اردو شعر و سخن کے دبستان لکھنؤ کے متعلق کئی قابل لحاظ باتیں معلوم ہوتی ہیں، اکثر کی تاریخی اہمیت ہے۔

مخطوطاتِ دواوین شعرائے فارسی

ناسخ اور تلامذۂ ناسخ کے کلام میں چند فارسی شعرا کا ذکر ملتا ہے ان میں صائب، بیدل، عرفی، حافظ، سبحان، سعدی، شوکت وغیرہ سے خود ناسخ متاثر ہیں۔ سعدی، حافظ، انوری وغیرہ کا ذکر نواب امین الدولہ بہادر کے دیوان میں ملتا ہے، صائب اور دوسرے اساتذۂ فارسی کا ذکر برق وغیرہ کے دیوانوں میں آیا ہے، ان اساتذہ کے ناموں اور ان کے کلام کی ان خصوصیات پر نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ شعرائے لکھنؤ فارسی کے کچھ خاص اساتذہ کے کلام کی طرف زیادہ راغب تھے، دوسرے طرز کے شعرا کی طرف انھیں اتنی رغبت نہ تھی، اس پہلو پر اگر غور کریں تو ان اسباب کے تعین میں کافی مدد ملے گی جن سے لکھنؤ کے نئے دبستان کی بنیاد پڑی، اس کے علاوہ اہل لکھنؤ کے بدلتے ہوئے معیار اور مذاق شاعری کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ معتمد الدولہ اور ان کے صاحبزادے اور دیگر متعلقین ناسخ اور تلامذۂ ناسخ سے متاثر تھے لیکن چونکہ یہ شعرا ان امرا اور نوابین کے دامن دولت سے وابستہ تھے اس لیے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان نوابین کی پسند و ناپسندیدگی سے یہ شعرا بھی اثر پذیر ضرور ہوئے۔ نواب معین الدولہ کے کتب خانہ میں ہمیں جن اساتذۂ فارسی کے دواوین مل سکے یہ سب وہ ہیں جن سے شعرائے لکھنؤ براہ راست یا بالواسطہ متاثر ہوئے، ان میں سے قابلِ لحاظ مخطوطے حسب ذیل ہیں:

۱۔ دیوان ناصر علی: ۸ ½" × ۴ ½" سائز یہ نسخہ ہے۔ صفحات کی تعداد درج نہیں، ترقیمہ:

> "تمام شد نسخہ کلیات دیوان ناصر علی بروز جمعہ بتاریخ غرۂ ذوالحجہ سنہ، حد مطابق ۱۲۳۱ھ (ہجری؟)
> کاتبہ (کذا) غلام حید انصاری وقتی کہ نوکر نواب مستطاب امیر الامرا سید حسین علی خاں بہادر بودہ
> جہت مطالعہ خود تحریر یافت ختم الخیر بالظفر"

نہیں معلوم کہ نواب سید حسین علی خاں بہادر کون تھے اور کہاں تھے، کاتب نے مقام کتابت نہیں لکھا۔ بہر حال مخطوطہ اچھی حالت میں ہے۔

۲۔ دیوان صائب: یہ نسخہ بہت خوش خط سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے، سرخ روشنائی سے حاشیے بنائے گئے ہیں، ۹" × ۵ ½" سائز ہے۔ کاغذ بہت عمدہ استعمال کیا گیا ہے، دو سو برس سال

گذرجانے کے باوجود اس میں ایک قسم کی چمک باقی ہے، اگلی بار اوراق کی درستی اور جزبندی ہو چکی ہے، ترقیمہ:

"باتمام رسید کتاب دیوان صائب بہ روز جمعہ بوقت
یکپاس روز در ۱۰۹۵ھ

ہرکہ خواند دعا طمع دارم
زان کہ من بندۂ گنہگارم"

کاتب نے صرف ۱۰۹۵ لکھا تھا، کسی نے بعد میں نسبتاً موٹے قلم اور ہلکی سیاہی سے "ء" "سنہ عیسوی کی علامت بنا دی ہے لیکن یہ یقینی طور پر غلط ہے یہ سال ہجری ہے۔

۲۔ دیوان شوکت بخارائی: کسی نے پنسل سے صفحات کا شمار کیا ہے ۲۵۰ صفحات، ۱۰ × ۵½ سائز۔ ترقیمہ

"تمام شد کتاب ہذا بہ عون مالک کتاب بہ تاریخ ہجدہم (کذا) رجب المرجب ۱۲۱۸ نبوی مقدسہ
غریق رحمت یزداں کسی باد
کہ کاتب را بہ الحمدی کند یاد"

اس کے بعد کاتب کی دستخط اور اس کی مہر ہے۔ نام پڑھا نہ جا سکا۔

۴۔ دیوان کلیم: یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے ۹ × ۵ سائز۔ ایک صفحہ پہ مہر ثبت ہے جس میں "دود راج / ۱۲۱۲" لکھا ہے، معلوم نہیں یہ دود راج کون شخص تھا۔

۵۔ انتخاب دیوان صائب وغیرہ: مختلف شعرائے فارسی کے دواوین کا انتخاب ہے۔ ترقیمہ:

"تمام شد انتخاب دواوین اساتذۂ ولایت زا منتخب از تذکرۂ ریاض الشعرا در اوسط ماہ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ"

کاتب کے نام، اور انتخاب کرنے والے کے نام کا علم نہیں۔

۶۔ ایک جلد میں حسب ذیل مخطوطات مجلد ہیں سائز ۱۰ × ۶½:

ہفت پیکر نظامی: ترقیمہ:

"الحمد للہ علی احسانہ کہ کتابت ہفت پیکر من تصنیف مولانا نظامی علیہ الرحمۃ بہ عون اللہ تعالیٰ بتاریخ نہم رجب المرجب روز جمعہ ۱۲۲۶ ہجری بخط بدخط ذاکر علی علیہ اتمام پوشید"

مخزن الاسرار نظامی: "المنۃ للہ تعالیٰ وتقدس کہ بتاریخ ہشتم شہر صفر المظفر ۱۲۲۶ ہجری مقدسہ نبوی نسخہ مخزن الاسرار بہ خط بدخط احقر العباد ذاکر علی صورت اتمام پذیرفت"

لیلیٰ مجنوں نظامی: "الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب لیلیٰ مجنوں بتاریخ ہفتم ماہ ربیع الثانی روز جمعہ بہ خط بدخط احقر العباد عبدہٗ ذاکر علی صورت اتمام پذیرفت"

ذاکر علی غالباً نواب معین الدولہ کے کارکنان میں سے کوئی شخص ہوں گے اور یہ نسخے نواب صاحب نے اپنے کتب خانۂ خاص کے لیے تیار کرائے ہوں گے۔

۷۔ ایک جلد ۱۲ × ۸½ سائز پہ نہایت خوش خط، خوبصورت حسب ذیل مخطوطات شامل ہیں، کاغذ نہایت عمدہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) قصائد عرفی۔ سال کتابت نامعلوم۔

(۲) قصائد انوری۔ کتابت ربیع الاول ۱۲۳۳ھ

(۳) قران السعدین۔ ترقیمہ:

"تمت تمام شد قران السعدین بتاریخ پانزدہم ۱۵ شہر ربیع الثانی ۱۲۳۳ ہجری بہ روز پنجشنبہ در بلدۂ لکھنؤ در عہد وزارت رفعت الدولہ رفیع الملک نواب غازی الدین حیدر خاں بہادر شہامت جنگ بہ دستخط عاصی ہیچمداں اضعف من عباد اللہ صورت اختتام و پیرایۂ نظام یافت......

ہرکہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

(۴) رسالہ در عروض۔ بروز پنجشنبہ نوچندی در شہر رمضان ۱۲۳۳ ہجری

(۵) رسالہ در قافیہ۔ "تمت تمام شد رسالہ تفتیح قافیہ بروز شنبہ چہار گھری (کذا: گھڑی؟) روز طلوع نمودہ بتاریخ چہاردہم ماہ محرم الحرام ۱۲۳۳ ہجری (۱۲۳۴؟) بہ فرخی و فیروزی سمت اختتام پذیرفت در عہد نواب غازی الدین حیدر خاں بہادر شہامت جنگ بہ دستخط اضعف من عباد اللہ بندہ الٰہی عاقبت بخیر باد"

(۶) ترجمہ لیلاوتی۔ کتابت؟

(۷) رسالہ علم موسیقی۔ کتابت ۱۲۳۲ھ

(۸) رسالہ در علم حساب۔ کتابت؟

(۹) قصائد مرزا صائب در منقبت۔ "تمام شد بتاریخ... ہشتم (؟) محرم ۱۲۳۳ ہجری یا الٰہی عاقبت محمود باد و انجام مسعود"

کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بہر حال یہ تمام نسخے عہد نوابی غازی الدین حیدر کے ہیں، قیاس ہے کہ نواب معین الدولہ کو یہ اپنے والد سے ورثہ میں ملے ہوں۔

تذکرۃ الشعرا

۱۔ تذکرہ قطعہ گلشن بطور سراپا سخن، سائز ۱۰½ × ۶، تعداد صفحات درج نہیں، کتابت خط شکست، اس جلد میں رباعیات اساتذہ، مسدس و مثنوی اساتذہ، انتخاب تذکرہ آزاد بلگرامی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس موقع پہ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ناسخ نے جب وہ کانپور میں نواب امین الدولہ بہادر کے یہاں مقیم تھے ایک غزل کہی جسے سن کر سید محسن علی محسن نے (بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

بہار ریاستی انجمن کی مجلس عاملہ کی کارروائی

کل بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کی ایک نشست ۱۳؍ جولائی ۶۴ء کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں زیر صدارت جناب منظور احسن اعجازی منعقد ہوئی۔ جس میں مندرجہ ذیل تجویزیں باتفاق آرا پاس ہوئیں۔

۱۔ انجہانی پنڈت نہرو کی موت سے جو خلا ہندوستان اور پوری دنیا میں پیدا ہو گیا ہے اس کی سنگینی سے ہم روز بہ روز زیادہ سے زیادہ واقف ہوتے جا رہے ہیں۔ بہ حیثیت ایک سیاست داں، مورخ، رہنما اور منتظم موصوف کا جو مقام تھا اس کو چار دانگ عالم میں خراج تحسین پیش کیا جا چکا ہے۔

اس وقت ہم بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے ارکان اپنے حصہ کا خراج ستائش بھی ادا کرنا چاہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جواہر لال نہرو نہ صرف اردو جانتے، بولتے اور اردو زبان و ادب سے لطف اندوز ہوتے تھے بلکہ بہ حیثیت رہنمائے قوم بھی انھوں نے اکثر ہندوستان میں اردو کے ساتھ کئے جانے والے مظالم کی مذمت کی اور اردو کے حق میں حوصلہ افزا بیانات دیئے اگرچہ ان بیانات پر ان کے ماتحتوں نے عمل کم ہی کیا۔ یہاں تک کہ پنڈت جی کو اپنے ہی حکام سے یہ شکوہ رہا کہ وہ ان کی ہدایتوں پر کاربند نہیں ہوتے۔ چنانچہ آج ہم ایسے ہمدرد و غمگسار کے اپنے درمیان سے اٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم کریں بجا ہے۔ ہم اہل اردو شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ جواہر لال کے دم سے ہمیں جو ایک جذباتی سہارا تھا وہ ٹوٹ گیا اور اس وقت ہم گویا بے یار و مددگار ہیں۔ اراکین بہار ریاستی انجمن ترقی اردو پنڈت نہرو کی موت پر اپنے دلی حزن و ملال کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ اردو عوام و خواص سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مرحوم صدر انجمن جناب محمد ایوب ایڈوکیٹ کی یادگار، ایوب اردو گرلس اسکول کی گرتی ہوئی مالی حالت کو درست کرنے کے لئے فراخ دلی سے عطیے عنایت کریں تاکہ یہ اہم ملی ادارہ استقلال کے ساتھ دختران ملت کی تعلیم و تربیت کا سامان کرتا رہے ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں تعلیم نسواں ایک ناگزیر ضرورت ہے جس کی تکمیل کے بغیر کوئی ملت نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ آگے بڑھ سکتی ہے۔

ایوب صاحب مرحوم اپنی زندگی تک تو اس ادارے کو اپنے جیب خاص سے چلاتے رہے مگر ان کی وفات کے بعد یہ ادارہ پوری اردو آبادی کی ذمہ داری بن گیا ہے جس کو پورا کرنا سب کا فرض ہے۔

۳۔ بہار کے حالیہ فسادات سے اردو لسانی اقلیت کی روایات و تمدن کو ناقابل تلافی نقصانات پہونچے ہیں اور اکثر جگہوں میں اردو زبان و ادب کی نشر و اشاعت کے مراکز کو جس طرح تباہ و برباد کیا گیا ہے اس سے آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فسادیوں کے حملوں کے پیچھے شدید نفرت کا جذبہ کارفرما ہے اور یہ حملے ایک منظم سازش کا نتیجہ ہیں مثال کے طور پر چکردھر پور اردو لائبریری پیش کی جا سکتی ہے جہاں فسادیوں نے مسلمانوں کی جان و مال کے ساتھ اردو لائبریری کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔

یہ صورت حال نہ صرف اردو زبان و ادب کے فروغ و نشو و نما کے لئے خطرناک ہے بلکہ لسانی اقلیت کی تہذیبی روایات کو مٹانے کی ناپاک عملی کوشش و جد و جہد کا آغاز ہے۔ اردو کو ہندوستان کے دستور میں ۱۴ قومی زبانوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے اور اس کے فروغ و ترقی کے مواقع فراہم کرنے اور دیگر تحفظات کا صریح وعدہ کیا گیا ہے لیکن ریاست بہار کے ایک وسیع علاقہ میں دستور کے نفاذ کے ۱۴ سال بعد بھی جو المیہ پیش آیا ہے اس نے بہار کی اردو لسانی اقلیت کو اپنی روایات اور تہذیبی ورثہ کی طرف سے سخت تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ دوسری جانب حکومت کی طرف سے اردو کی تعلیم اور اس کے حقوق کی طرف سے مکمل بے پروائی نے ثابت کر دیا ہے کہ اردو دوستوں کے خدشات بالکل درست اور بجا ہیں۔

مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ ایسی فضا پیدا کرے کہ اردو آبادی کے لئے پر امن زندگی گزارنے اور اپنے قومی و تہذیبی اثاثہ کی حفاظت و فروغ کا موقع ملے اور وہ دستوری تحفظات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس سلسلے میں یہ جلسہ حکومت سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اب تک اردو کی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم اور اس کی بقا و تحفظ کے لئے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے جو مطالبات کئے ہیں انھیں جلد منظور کر کے ان پر عمل در آمد کے لئے فوری کارروائی عمل میں لائے۔

مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اردو دوستوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنی محبوب ترین قومی زبان اردو کے تحفظ و بقا کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اپنے تہذیبی روایات کے خزانے کو بچانے کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کریں۔ تاکہ وہ سیکولر ہندوستان میں اپنا باعزت مقام حاصل کر سکیں ہمت و جرأت کے ساتھ اردو زبان و ادب کی خدمت میں لگ جائیں۔ مایوسانہ زندگی گزارنے کا وطیرہ ترک کریں۔

۵۔ انجمن کے مکتبہ کے قیام پر غور و فکر اور ضروری کارروائیوں کے لئے جناب پروفیسر عبد المغنی۔ جناب دانش عظیم آبادی، اور جناب مولانا جناب صدیقی صاحبان پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔

۶۔ ۱۶؍ اگست ۶۴ء کو ریاستی انجمن ترقی اردو اور بہار اسٹیٹ اردو ابتدائی تعلیم کانسل کے مجلس منتظمہ کی مشترکہ نشست بلانے کی تجویز پاس ہوئی جس میں دوسرے اہم معاملات کے علاوہ عارضی صدر کا انتخاب ہوگا۔

مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی جناب منظور احسن اجازی، جناب محمود عالم مختار سیتامڑھی، جناب، جناب نثار احمد خاں، جناب شاہ مشتاق احمد، جناب پروفیسر عبدالغنی، جناب مولانا بیتاب صدیقی جنرل سکریٹری، جناب غضنفر نواب دانش، اور شمیم احمد صدیقی وغیرہ وغیرہ۔

کاشانۂ ادب کلیان کے زیر اہتمام جلسۂ مشاعرہ

حال میں پنڈت جی کی تعزیت میں ایک جلسہ اور مشاعرہ زیر اہتمام کاشانۂ ادب کلیان بمقام میونسپل ہال زیر صدارت پروفیسر این، ایس گرگر، صدر شعبۂ اردو، فارسی اور اسلامیک کلچر بمبئی یونیورسٹی منعقد ہوا۔ ماسٹر انتخاد گوریکر کی نظم سے جلسے کا آغاز ہوا۔ صدر جلسہ و مشاعرہ پروفیسر گوریکر نے اپنی تقریر میں پنڈت نہرو کو "اردو زبان اور اس کے کلچر کا محافظ قرار دیا" معروف صحافی اصغر علی عابدی نے اپنی تقریر دلپذیر میں پنڈت نہرو کو اتحاد، امن اور یکجہتی کے نشان سے تشبیہ دی جناب محمد عمر شفیق (میونسپل کونسلر بھیونڈی) نے پنڈت نہرو کی موت کو بھارت کا عظیم نقصان قرار دیا

شری جنار دھن نے اپنی تقریر میں کہا کہ بھارت اور ایشائی ممالک پنڈت جی کی کمی ہمیشہ محسوس کریں گے۔

تقاریر کے بعد تعزیتی مشاعرہ انعقاد پذیر ہوا جس میں اردو، ہندی اور سندھی زبانوں کے شعرا حضرات نے ہمارے اپنے محبوب اور ہر دلعزیز رہنما پنڈت جواہر لال جی کو اپنی اپنی زبانوں میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ (ایم جی چودھری)

حیدر آباد کے بعض اہم گلدستے

۸ رجولائی کے ہماری زبان میں "اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ میں محترم مضمون نگار جناب سعادت مرزا صاحب کا نہایت درجہ ممنون ہوں گا اگر وہ تکلیف فرما کر اپنے مضمون میں بیان کردہ تمام گلدستوں کے نام سنہ اجرا، مقام اشاعت نام ایڈیٹر، نوعیت اشاعت اور تعداد صفحات اور سالانہ قیمت وغیرہ امور پر بھی روشنی ڈالیں" اور ہماری زبان" میں شائع کرادیں۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

اگلے سال یا پچھلے سال؟

"ہماری زبان" کا پرانا پرچہ مورخہ ۱۵ رجون ۱۹۶۴ء نظر سے گزرا جناب سلطان اشرف صاحب کا مضمون "مسدس بے نظیر کا سنہ تصنیف" سرورق پر شائع ہوا ہے۔ جو اس میں ایک مصرعہ آیا ہے "ہجرِ اگلے سال سے دہی شہرا ہے جشن کا" جناب سلطان اشرف صاحب لکھتے ہیں "یہ مصرعہ تو ہر سال گزر جانے کے بعد ہر دوسرے سال پر چسپاں کیا جاسکتا ہے" مجھے نفس تحقیق پر کچھ کہنا نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ گزرے ہوئے سال کے لئے جب ہم اگلے سال کہتے ہیں تو آنے والے سال کے لئے کیا "پچھلے سال" کہہ سکتے ہیں۔ کیا "اگلے سال" گزرے ہوئے اور آنے والے دونوں سال کے لئے مناسب استعمال ہے۔ ہندی میں اس کے استعمال کا کیا محل ہے؟۔ یہ غلط العام یا غلط العوام میں سے تو نہیں ہے؟ فارسی میں گزشتگان کے لئے پیشینیاں بھی مستعمل ہے اور ہم بھی "اگلے لوگ" کہتے ہیں۔ مجھے تو گزرے ہوئے سال کے لئے اگلے سال کا استعمال کچھ کھٹکتا ہے۔ گزرے ہوئے اور آنے والے سال کے لئے علی الترتیب پچھلے سال اور اگلے سال کیوں نہ استعمال کیا جائے میری درخواست ہے کہ قارئین ہماری زبان اس پر روشنی ڈال کر استفادے کا موقع دیں۔

(عنی منگھیاہی)

استفسار

ذیل کا شعر کس شاعر کا ہے۔

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے

(خاور جبل پوری)

اردو کے ڈرامہ نگار متوجہ ہوں

اردو زبان میں ڈرامہ نگاری کو فروغ دینے کے لئے آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی اردو ڈراموں کے ایک کل ہند مقابلہ کا اہتمام کر رہی ہے۔ اس مقابلہ میں بہترین قرار دئے جانے والے ڈرامے کے مصنف کو ایک ہزار ایک سو سولہ روپیہ کا نقد انعام دیا جائے گا۔ مقابلہ میں ہندوستان بھر کے اردو کے ڈرامہ نگار حصہ لے سکتے ہیں۔ ڈرامہ کا موضوع تاریخی یا سماجی ہونا چاہئے ڈرامہ ایسا ہو کہ دو گھنٹے تک کھیلا جا سکے مسودے کی دو نقلیں ۳۱ رمارچ ۱۹۶۵ء تک اکاڈمی کو بھیجدی جائیں۔ مزید معلومات آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی حیدر آباد سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

مدھیہ پردیش کا سارا سرکاری کام ہندی میں

مدھیہ پردیش حکومت نے ایک منصوبہ کا اعلان کیا ہے جس کے بموجب صوبہ میں سارا کام آئندہ چار سال کے اندر ہندی میں ہونے لگے گا۔

صوبائی وزارتی کونسل نے کل صبح اس منصوبہ کی منظوری دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اس پر فوری عملدرآمد کے لئے چار محکموں میں کام اسی سال ۱۵ راگست سے ہندی میں ہونا چاہئے ان محکموں کے نام یہ ہیں لوکل گورنمنٹ، سماجی بہبود، ہیلتھ اور لسانیات۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دوسرے محکموں میں بھی ہندی میں زیادہ سے زیادہ کام کیا جائے اور ضلع کی سطح پر تمام کام ہندی میں ہو۔

اعلیٰ ملازمتوں میں غیر ہندی علاقوں کے لوگ اگر ہندی سیکھ لیں گے تو انھیں ایک ہزار روپیہ تک کے انعام دیے جائیں گے۔

(سیاست جدید کانپور)

کتب خانۂ نواب محسن الدولہ کے مخطوطات

عرض کیا کہ اگر اسی طرح غزلیں کہی جائیں تو ایک دیوان اعضائے انسانی سے متعلق تیار ہو جائے۔ بعد میں محسن نے تذکرہ سرا پا سخن تالیف کیا۔ نواب محسن الدولہ کے گھرانے میں تذکرہ قطعہ گلشن کی موجودگی اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے۔ یہ اگر چہ فارسی شعرا کا تذکرہ ہے لیکن یہ اردو کے تذکرہ نویس کے لیے نمونہ کی حیثیت سے بہر حال موجود تھا۔

۲۔ تذکرہ آتشکدۂ آذر: مصنفہ لطف علی ابن آقا خاں متخلص بہ آذر سائز ۱/۲ ۸ × ۱۲، فارسی کا مشہور تذکرہ ہے۔

متفرق کتب

۱۔ اخلاق ناصری: کاتب کا نام، زمانہ کتابت، صفحات وغیرہ تحریر نہیں۔ آخری صفحہ پر امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی مہر ثبت ہے اس میں یہ شعر لکھا ہے۔

ناسخ ہر مہر... شد مزین ہر کتاب خاتم امجد علی شاہ زماں عالی جناب

۱۲۶۰

یہ مہر چند اور صفحات پر بھی ملتی ہے، ایک صفحہ پر "کتب خانۂ سلیمان جاہ" کی مہر بھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس میں سنہ، جو شعر پڑھا نہ جا سکا۔ نسخہ مکمل ہے، کرم خوردگی کے آثار ہیں۔ کتاب پر جا بجا حواشی بھی لکھے ہیں جو غالباً مطالعہ کرنے والے کسی صاحب نے لکھے ہوں گے۔

۲۔ دوا احکام ادویہ و اغذیہ: صفحات کا شمار نہیں کیا گیا۔ ترقیمہ: "تمام شد ترجمہ شرح فن ثانی از کتاب قریشی واللہ اعلم بالصواب... فقط بہ تاریخ ششم ماہ ربیع الاول روز جمعہ بہ مکان واقعہ شہر بنارس سنہ ۱۲۹۶ ہجریہ مقدسہ نبویہ صلعم از قلم بدرقم احقر الاطبا اصغر الخلق حکیم بندہ رضا الشہیر بہ جھن... انجم لکھنوی ابن مرحوم و مغفور معتمد الملوک حکیم کاظم علی خاں لکھنوی غفر اللہ ذنوبہم و ستر عیوبہم فقط فقط"

حکیم بندہ رضا انجم کا ذکر تذکرۂ نادر میں ملتا ہے۔ "انجم مرزا بندہ رضا عرف جھن مرزا شاگرد میر کلو عرش" (نادر ص ۳۳) زیر نظر مخطوطہ کے ترقیمہ سے ان کے حالات کے سلسلہ میں مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ محیط معرفت۔ از کرپال داس، یہ سنسکرت کی ایک کتاب کا ترجمہ ہے مترجم کرپال داس ہے۔ اصل کتاب کو وہ "پوتھی سرودی" کہتا ہے جس کا مصنف سری سدا شیو جی تھا۔ ضخامت ۴۰۵ صفحات، ۶ × ۱/۲ ۹ سائز۔ کاغذ عمدہ استعمال کیا گیا ہے، کتابت کا زمانہ وغیرہ معلوم نہیں۔ نواب حیدر علی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے یہ کتاب سرور سلہ نامی کسی شخص سے جو اسی خاندان کے ایک فرد تھے ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء کو خریدی تھی۔

۴۔ شعلۂ آہ: یہ شہزادہ خاکی شبہ شمشیر بانو کا قصۂ عشق ہے۔ اوراق کا شمار آخری صفحہ سے کیا گیا ہے، اس طرح پہلا صفحہ ۱۲۱ ہوا، آخری صفحہ پر ۱۲ درج ہے، گویا آخر کے کم از کم ۱۱ صفحات ضائع ہو گئے ہیں، قصہ مکمل ہے اس لیے نہیں جا سکتا کہ ان گیارہ صفحات پر کیا تھا۔ ترقیمہ اس طرح ہے:

"تمام شد نسخہ شعلۂ آہ من تصنیف لچھمی سنگھ... دہلوی تاریخ پنجم رمضان المبارک سنہ ۱۲۵۴ھ"

مخطوطہ کا سائز ۱۱ × ۱/۲ ۶ ہے۔

۵۔ دفتر ثانی مثنوی المولوی۔ مولانائے روم کی مثنوی کو جو شہرت اور قبول عام حاصل ہوا ظاہر ہے۔ زیر نظر مخطوطہ اس کا صرف دفتر ثانی ہے۔ ترقیمہ:

"تم ہذا الدفتر روز جمعہ بعد نماز جمعہ بہ تاریخ بست و کیم از رجب المرجب سنہ ۱۰۹۸ھ"

اس سے قدیم تر مخطوطات بہت ملتے ہیں لیکن یہ بھی کافی قدیم اور قابل لحاظ ہے۔

۶۔ سفینۃ النجات در علم کلام۔ سائز ۱/۲ ۶ × ۱/۲ ۹، ترقیمہ:

"تمام شد کتاب سفینۃ النجاۃ بہ تاریخ غرہ شہر ربیع الاول سنہ یک ہزار و دو صد و بست و شش روز چہار شنبہ وقت دوپہر... فقیر حقیر عاصی پر معاصی مرزا محمود علو بہ حسب الفرمائش مرزا صاحب عالی شان والا مناقب مرزا علی اکبر صاحب سلمہ تحریر یافت"

۷۔ مخطوطہ ۱/۲ ۷ × ۱/۲ ۹ سائز ۱۲۰ صفحات، ترقیمہ:

"...از نسخہ اوراق تصنیف میر محمد کاظم کریم نوشتہ بہ تاریخ سیزدہم شہر ربیع الاول یوم شنبہ سنہ ۱۲۵۱ ہجری نبوی صلعم در دار السلطنت لکھنؤ محلہ مینا بازار و درین .... تحریر گردید"

ان چند کے علاوہ اور بھی متعدد اور قدیم مخطوطات نواب حیدر علی صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ لیکن ان کی تفصیلات بسبب بوسیدگی و شکستگی دریافت نہ ہو سکیں۔

اردو انسائیکلوپیڈیا

پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی دوسری جلد کا پہلا فراسہ شائع کر دیا ہے۔ اس میں احمد بن حنبلؒ تک مقالے موجود ہیں جن میں احمد، احمد الاول، احمد الثانی، احمد الثالث اور احمد بن حنبلؒ پر بعض بہت دلچسپ تاریخی اور معلوماتی مقالے شامل ہیں۔ یہ حصہ پانچ روپے جلد کے حساب سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے سیل ڈپو سے مل سکتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کا دوسرا فراسہ پریس میں طبع ہو رہا ہے اور عنقریب بازار میں آ جائے گا۔

(سیاست جدید کانپور)

عبدالحی

تبصرے

پیام تعلیم

ایڈیٹر: محمد حسین خان ندوی

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر، نئی دہلی

قیمت: فی پرچہ ۵۰ پیسے

کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج اور مرحوم دہلی کالج کے بعد اردو کی خدمت کرنے کا سب زیادہ شرف جامعہ ملیہ کو حاصل ہوا۔ مکتبہ جامعہ' جو اس کا ایک ذیلی ادارہ ہے، کے ذریعہ اس نے عوام کو ملک کے بہترین اور تعمیری ادب سے روشناس کرایا اور یہ ادارہ اس نیک کام میں اب بھی تن من دھن سے مصروف ہے۔ ماہنامہ کتاب نما کے ذریعہ ہم اُن مطبوعات سے باخبر رہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اس ادارہ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوتی رہتی ہیں۔ "پیام تعلیم" اسی ادارہ سے نکلنے والا بچوں کا رسالہ ہے۔ یہ پرچہ ۱۹۲۶ میں جاری ہوا تھا لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے گزشتہ ۸ سال بند رہا اب یہ پھر جاری ہو گیا ہے اور امید ہے کہ مسلسل نکلتا رہے گا۔

ان آٹھ سالوں میں اردو کے بہت سے بچوں کے پرچے نکلے لیکن اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے جو مقبولیت اور امتیاز "پیام تعلیم" کو حاصل تھا وہ کسی پرچہ کو نہ حاصل ہو سکا اور اس کی کمی برابر محسوس کی جاتی رہی۔ مقام مسرت ہے کہ اس کے احیاء سے وہ کمی دور ہو گئی۔

اس رسالے کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دوسرے بچوں کے رسالوں کی طرح سے محض تفریح کا سامان نہیں مہیا کرتا، بلکہ ان کی کردار سازی میں معاون ہوتا ہے۔ اس میں جن حضرات کے مضمون شائع ہوتے ہیں وہ بچوں کی نفسیات اور ان کے تعلیمی مسائل سے بخوبی واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں وہ ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر اور ایک خاص نقطۂ نظر سے لکھتے ہیں۔ محض بچوں کو ہنسانے کے لئے نہیں۔

ماہنامہ "پیام تعلیم" کے زیرِ نظر شمارے میں ڈاکٹر سید عابد حسین، مولانا عبدالسلام، جناب محمد حفیظ الدین اور سید محمد ٹونکی جیسے بلند پایہ استادوں اور ماہرین تعلیم کے مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین میں بچوں کے لئے دلچسپی کا سامان بھی ہے اور درپردہ ان کے کردار کی تعمیر کی شعوری کوشش بھی۔

اس پرچہ کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کچھ صفحے بچوں کی کوشش کے لئے وقف ہیں اس عنوان سے بچوں کی کسی مخصوص موضوع پر لکھی ہوئی نظمیں شامل ہیں، اگر اس کوشش کے ضمن میں نظم نگاری کے علاوہ دوسری اصناف کو بھی لے آیا جائے تو وہ بچے بھی اس میں حصہ لے سکیں گے جنھیں شعر گوئی سے رغبت نہیں اس کے علاوہ ان کو نثر نگاری کی مناسب تربیت بھی مل جائے گی۔

پرچے کے شروع میں اس کے از سرِ نو اجراء پر ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر آل احمد سرور ڈاکٹر سید عابد حسین، پروفیسر رشید احمد صدیقی کے پیغامات شامل ہیں۔

ماہنامہ افق ورنگل

ترتیب دینے والے: ابدنام رفیقی، مسعود جاوید ہاشمی

ملنے کا پتہ: ماہنامہ افق ۸۸۹ ڈیوڑھی شکور جنگ۔ نامپلی۔ حیدرآباد

ماہنامہ افق کا زیرِ نظر شمارہ ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس شمارے میں ادبی، تعلیمی، نفسیاتی، سائنسی ہر قسم کے موضوعات پر ایک ایک مقالہ شامل ہے۔ احمد قادری کا افسانہ چند ایک پیروڈی، نظمیں اور دو تین طنزیہ فیچر اس کے علاوہ ہیں۔

شروع میں " اردو یات" کی شاہ سرخی کے تحت فراق گورکھپوری کے " اردو ہندی نزاع " کے موضوع پر ایک مضمون کے اقتباسات ہیں۔ اس کے بعد غالب کی "پنج آہنگ" کے ترجمے، "ساز سخن" (از نجم الدین شکیب) سے دو خط پیش کئے گئے ہیں۔ غالب کی اس کتاب فارسی پنج اور اصول مکتوب نگاری اور دیباچہ و تقریظ نگاری کے موضوع پر خطوط کی شکل میں ہے۔

سید دکنی نے اپنے مضمون "درس و تدریس کے مسائل" میں ہمارے مروجہ تعلیمی نظام کا جائزہ لیا ہے اور آجکل کے تعلیمی معیار میں جو انحطاط آ گیا ہے اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے تدارک کے لئے کچھ کار آمد تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

کیا ہم نفرت کرنا چھوڑ سکتے ہیں؟ اس پرچہ کا غالباً سب سے اہم مضمون ہے' اس مضمون میں ڈاکٹر ابن حسین نے نفرت کی نفسیات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے اس فطری جذبے سے کس طرح تعمیری کام لیا جا سکتا ہے اور اسکو رفتہ رفتہ محبت' اخوت اور عالمگیر ہمدردی جیسے پاکیزہ جذبات میں بدلا جا سکتا ہے۔

حصۂ نظم میں چار نظمیں شامل ہیں اور چاروں اچھی ہیں رروش صدیقی کی نظم حسن گریزاں اس حصے کی جان ہے۔

غزلوں کے حصے میں پانچ غزلیں اور ایک سانیٹ شامل ہیں یہ حصہ بھی خاصا ہے۔

آخر میں خاور نوری کے مجموعۂ کلام "انتقام" پر تبصرہ ہے افق کا زیرِ نظر شمارہ خاصا معیاری اور متوازن ہے مضامین کے انتخاب اور انکی ترتیب میں ترتیب کی سلیقہ مندی ہر جگہ نمایاں ہے۔ اس پرچہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں متنوع موضوعات پر معیاری اور مفید مضامین شامل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ طبع کیلئے طنزو مزاح بھی مناسب مقدار میں موجود ہے۔ اس ضمن میں احمد جمال پاشا کا ٹیلیگرام سرفہرست آتا ہے

اگر یہ پرچہ اسی طرح کا معیاری ادب اسی سلیقہ اور پابندی کے ساتھ پیش کرتا رہا تو کچھ دنوں میں یہ ہندوستان کے صف اول کے اردو پرچوں میں شامل ہو جائے گا۔

مراسلہ

سلام صاحب کی نظم کا عروضی تجزیہ

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۸۳ء میں "نظم" جناب سلام بن رزاق مچھلی شہری کی ایک نظم "میرے دوستو" کے عنوان سے شایع ہوئی ہے۔ یہ نظم ردیف و قافیہ کی قید سے آزاد ۱۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے:

میرے دوستو، ساتھیو، ہم سفرو!
ابھی اپنے ہاتھوں سے تیشہ نہ رکھو
ابھی راہ میں سیکڑوں بے ستوں ہیں
ابھی تو بہت دور ہے اپنی منزل

یہ اشعار بحر متقارب سالم (فعولن فعولن فعولن فعولن) کے ہم وزن ہیں۔ بعد کے دو شعر یا چار مصرعے یہ ہیں۔ ان مصرعوں کے ذیل میں ان کے ہم وزن ارکان بھی درج کئے جاتے ہیں:

(۵) تمہارے، عزائم، کے تیشوں، نے کتنے، ہی کوہ،
فعولن فعولن فعولن فعولن فعول

گراں
فعول

(۶) سرنگوں، کر دیے، ہیں
فاعلن فاعلن فاع

(۷) تمہارے، پسینے، کے قطروں، سے
فعولن فعولن فعولن فع

(۸) لاکھوں، کروڑوں، گلستاں، نو پا، چکے ہیں
فعولن فعولن فعولن فعولن فعولان

اس کے بعد نظم کے ۱۲ مصرعے، ابتدائی چار مصرعوں کی طرح بحر متقارب کے صحیح وزن پر ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام صاحب نے پوری نظم بحر متقارب میں کہی ہے لیکن پانچویں مصرعے سے آٹھویں تک کے چار مصرعوں کو ارادۃً کم و بیش کر کے چھوٹا بڑا اور ناموزوں کر دیا ہے۔ اگر ان مصرعوں کی ترتیب نیچے لکھی ہوئی صورت میں ہوتی تو یہ بھی بحر متقارب میں موزوں ہو جاتے۔

(۵) تمہارے عزائم کے تیشوں نے کتنے
(۶) ہی کوہ گراں سرنگوں کر دیے ہیں
(۷) تمہارے پسینے کے قطروں سے لاکھوں
(۸) کروڑوں گلستاں نمو پا چکے ہیں

کسی لفظ کی کمی بیشی کے بغیر یہ مصرعے بحر متقارب میں موزوں ہو جاتے ہیں جن کے ارکان کا اعادہ غیر ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان چار مصرعوں کو چھوٹا بڑا کر دینے میں سلام صاحب نے کیا مصلحت دیکھی۔ اگر ردیف و قافیہ کی طرح اشعار کی موزونیت سے اس درجہ بے اعتنائی برت لی جائے جو در اصل شعر کی روح ہے، تو پھر نظم و نثر میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ان زیر بحث چار مصرعوں کے علاوہ تمام نظم ایک خاص بحر میں موزوں کی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سلام صاحب شعر کی موزونیت کے قائل ہیں پھر یہ اخراج کر کے انھوں نے نظم میں کون سا حسن پیدا کر دیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث اشعار کو صحیح الوزن کرنے میں دو مصرعے معقّد ہو جاتے۔ یہ عذر اس لئے درست نہیں کہ نظم میں مصرعے کا معقّد ہونا عیب نہیں ہے۔ تعقید لفظی عیب ہے۔

بعض ترقی پسند شعرا بحر سے ہٹ کر بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مصرعوں کے ساتھ چسپاں کر دیتے ہیں، مگر ان میں باقاعدگی ہوتی ہے اگر نظم اور باقاعدگی نہ ہو، تو یقیناً وہ ذوق سلیم پر گراں گزرتے ہیں میرے خیال میں سلام صاحب کی یہ ترقی پسندی۔ لائق تحسین نہیں البتہ ان کی نظم اپنی جدّت تاثر کی مستحق ہے۔

امید کہ سلام صاحب اور دوسرے اہل ذوق حضرات میری گزارش پر اپنے خیال کا اظہار فرمائیں گے (سید علی ٹونک)

نوٹ: نظم میں بحر کی پابندی کی گئی تھی۔ اصلاح کی ذمہ داری ادارے کی ہے اور مفہوم کو واضح کرنے کے لئے مناسب بھی۔ گئی جس کی مثالیں اور بھی ملتی ہیں مراسلہ اس لئے شایع کیا جاتا ہے کہ اس پر اظہار خیال ہو سکے۔ (ادارہ)

چھپائی اور بینائی

رسالوں، اخباروں کی کتابت برابر چھوٹی سے چھوٹی ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ حوالے کی کتابیں تو اب بغیر عینک کے پڑھنا اپنی جوانی کا ثبوت دینا ہے۔

غور سے دیکھیے تو یہ ایک بصارت کشی کی پالیسی ہے بصارت تو انمول ہے، اسے کاغذ کی گرانی پر کیسے قربان کیا جا سکتا ہے۔ کاغذ کی قیمت بچانے، حجم گھٹانے، اور طباعت کی قیمت کم رکھنے کے لئے بصارت ہی کو کیوں قربان کیا جائے۔ حجم بڑھ جائے کوئی پروا نہیں، قیمت دوگنی ہو جائے بلا سے، بصارت تو بہر حال انمول ہے۔

اخبار بینی کی کثرت نے عینک سازی کے کاروبار کو فروغ دیا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اخبار کی کتابت کتنی باریک ہوتی ہے لغات اور حوالے کی کتابیں ایک تو یوں ہی کم پڑھی جاتی ہیں اوپر سے مہین چھپائی — اور بھی پڑھنے سے لوگ بھاگتے ہیں۔ پھر لغات اور حوالے کی کتابیں زیادہ تر سن رسیدہ لوگوں کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔

یہ بات ابھی نہیں حکومت کو چاہیے کہ کتابت کی ایک حد مقرر کر دے کہ اس سے چھوٹی تقطیع میں کوئی بھی کتابت شایع نہ ہو۔ (کوئی ہے)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ایڈیٹر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا